سوزِ جگر

جگرؔ جالندھری

سفرِ زندگی کا بہت پُرخطر ہے — ہر اک گام پر اس میں رہزن کا ڈر ہے

...ل آئے گی شک نہیں اس میں لیکن — اجل آئے گی کب کہے یہ خبر ہے

...یں جہاں سے کچھ ارماں لیے کر — یہی ہم غریبوں کا زادِ سفر ہے

...ل آدمی ... اس قدر یہ لقشاق — کون منتظر ہے کوئی منتظر ہے

ہم آئے بھی روتے ہوئے اس جہاں میں
مگر وقتِ رخصت بھی آنکھ اپنی تر ہے

...ب کو ممنونِ عنایت آپ کا پایا گیا
ایک ہمیں سے تھے جن کی ہر خواہش کو ٹھکرایا گیا

...نشاں ہم خود بھی اس کی جستجو میں ہو گئے
سخت حیرت ہے کہ اس پر بھی نہ وہ پایا گیا

...رت باغِ آرزو ہی پہ خزاں چھائی رہی
موسمِ گل ہر چمن میں بارہا آیا گیا

...ندگی کی تلخیوں سے مل گئی دل کو نجات
یہ اثر جامِ شرابِ تلخ میں پایا گیا

...ہ گرتے رکھ دیا سر پائے ساقی پر جگر
میں ہوں وہ بے ہوش جس کو ہوش میں پایا گیا

یش وراحت میں بشر کی سرکشی جاتی نہیں
ٹھوکریں کھائے نہ جب تک عقل اُسے آتی نہیں

اب ترے مستوں کی مستی اک معمّہ بن گئی
اب ترے مستوں کو تیری یاد بھی آتی نہیں

راحت افزا تھا تصوّر بھی ترا جس کے لیے
اب تو قربت بھی تری اُس دِل کو بہلاتی نہیں

موت کی آمد کا بھی جاتا رہا اب اعتبار
اب شبِ غم کی سحر ہوتی نظر آتی نہیں

ادھر مری آہوں کا طوفاں اور یہ سیلابِ اشک
کشتیِ دِل اب مجھے بچتی نظر آتی نہیں

اک طرف برقِ تپاں ہے اک طرف صیاد ہے
اب تو بچنے کی کوئی صورت نظر آتی نہیں

یاس و غم کی بجلیاں جب تک نہ اُس کو پھونک دیں
اے جگر باغِ تمنّا میں بہار آتی نہیں

میری خاموشی بھی اک آواز ہے
شرحِ غم کا یہ عجب انداز ہے

گو نہیں مجھ کو رہائی کی امید
پھر بھی دل میں حسرتِ پرواز ہے

وجہِ سوزِ دل نہ پوچھ اے ہم نشیں!
راز رہنے دے اُسے جو راز ہے

آشکارا بھی ہے تو مستور بھی
اے جمالِ دوست یہ کیا راز ہے

اب تو میرے سجدہ ہائے شوق پر
آستانِ حسن کو بھی ناز ہے

عشق بھی جس کو سمجھ سکتا نہیں
حسن کی فطرت اک ایسا راز ہے

اُس طرف اُن کو جفا پر ہے غرور
اِس طرف مجھ کو وفا پر ناز ہے

دوست کی نازک مزاجی اے جگر
عرضِ مطلب میں خلل انداز ہے

حسن والوں کی چاہ کرتا ہوں
بس یہی اک گناہ کرتا ہوں

نظر آتا ہے تو ہی تو مجھ کو
جس طرف بھی نگاہ کرتا ہوں

اُس کی رحمت کو آزمانا ہے
بے محابا گناہ کرتا ہوں

کر کے آباد آرزوؤں کو
دل کی دنیا تباہ کرتا ہوں

یوں وہ میری وفا سے برہم ہیں
جیسے کوئی گناہ کرتا ہوں

غم نے گو جان پر بنا دی ہے
پھر بھی غم سے نباہ کرتا ہوں

اے جگر اُن کو یاد کر کر کے
رات دن آہ آہ کرتا ہوں

عجب ہے خود کو وہ شاعر خیال کرتے ہیں
جو ایک مصرعہ موزوں بھی کہہ نہیں سکتے
نہ کر جگرؔ کوئی پروا تو نکتہ چینوں کی
وہ نکتہ چینیِ بے جا سے رہ نہیں سکتے

○

تری یاد ہی سے کچھ آج کل مجھے صبح و شام قرار ہے
مرے گلستانِ حیات میں تری یاد ہی سے بہار ہے
مرا دل بھی تو، مری جان تو، مری آن تو، مری شان تو
ترے دم سے ہے مری زندگی۔ ترے دم سے دل کو قرار ہے
تو ہنسے تو لالہ و گل کھلیں۔ تو چلے تو سرو بلائیں لیں
تو ہر اک چمن کی ہے تازگی۔ تو ہر اک چمن کی بہار ہے
کوئی اور تجھ سا حسیں نہیں، کوئی ہو تو مجھ کو یقیں نہیں
یہ تمام حسنِ گل و سمن۔ ترے آگے مثلِ غبار ہے
جو نشہ ہے تیری نگاہ میں، وہ نشہ نہیں ہے شراب میں
ہے ترے لبوں میں وہ تازگی، گلِ تر بھی جس پہ نثار ہے
مری آنکھ کو تری جستجو، مرے دل کو ہے تری آرزو
مری آنکھ کا بھی تو نور ہے، مرے دل کا بھی تو قرار ہے
ترے حسن میں ہے وہ تازگی، جو بہار میں بھی نہ مل سکی
کسی پھول میں بھی نہیں ملا، ترے چہرے پہ جو نکھار ہے

ہم اُس مقام پر اُلفت میں آئے بیٹھے ہیں
کہ اُن کے دِل پہ بھی سکّے بٹھائے بیٹھے ہیں

کِس کی یاد کو دِل سے لگائے بیٹھے ہیں
خود اپنے آپ ہی کو ہم بھلائے بیٹھے ہیں

وہ سوزِ عشق جو دُنیا کو پھونک سکتا ہے
ہمیں ہیں جو اسے دِل میں دبائے بیٹھے ہیں

ہم جہاں کے جو چکّر سے بچ کے نکلے تھے
وہ دَورِ جام کے چکّر میں آئے بیٹھے ہیں

سکون و صبر تو کیا آبرو بھی کھو دی ہے
تمہارے عشق میں سب کچھ لُٹائے بیٹھے ہیں

جہاں نہ آنے کی کل کھائی تھی قسم ہم نے
پھر آج ہم اُسی محفل میں آئے بیٹھے ہیں

ستا نہ اِس سے زیادہ تو اے شبِ فرقت
ہم اپنی زیست سے اب تنگ آئے بیٹھے ہیں

فلک بھی بارِ محبت اُٹھا نہ سکتا تھا
جگر ہمیں ہیں جو یہ بار اُٹھائے بیٹھے ہیں

اوّل تو وہ ہم سے کوئی وعدا نہیں کرتے
کرتے بھی ہیں تو پھر اُسے پُورا نہیں کرتے

اپنے سے حسیں کو وہ گوارا نہیں کرتے
اب خیر سے آئینہ بھی دیکھا نہیں کرتے

اُس بُت کو مرے اشکوں پہ رحم آئے تو کیونکر
پتھر کبھی پانی سے تو پگھلا نہیں کرتے

پروانے سے کچھ کم نہیں سوزِ جگر اپنا
ہم اِس کا مگر بزم میں چرچا نہیں کرتے

اُس گُل کی جفاؤں پہ بھی خاموش رہے ہیں
بُلبل کی طرح ہم اُسے رُسوا نہیں کرتے

ہم سے اگر اُن کو کوئی شِکوا ہے تو یہ ہے
ہم اُن سے کِسی بات کا شِکوا نہیں کرتے

جس بات پہ ہو بعد میں کچھ ہم کو ندامت
وہ بات کبھی مُنہ سے نِکالا نہیں کرتے

شبنم نے کچھ اچھا نہ کیا محفلِ گُل میں
ہنستوں کو جِگر دیکھ کے رویا نہیں کرتے

قدر مرکر ہی ہُوا کرتی ہے دیوانوں کی
شمع بھی روتی ہے اب خاک پہ پروانوں کی

دِل سے ارمان کسی طور نکلتے ہی نہیں
اتنی جرأت کبھی دیکھی نہ تھی مہمانوں کی

ہاتھ پھولوں کو لگائیں تو وہ شعلے بن جائیں
دیکھیے قسمت کوئی ہم سوختہ سامانوں کی

خونِ دِل ہم نے پلایا ہے ترے تیروں کو
اتنی خاطر کوئی کرتا نہیں مہمانوں کی

رُخِ تاباں سے اُٹھایا جو کسی نے پردا
کس قدر بھیڑ ہوئی بزم میں پروانوں کی

جو فرشتوں کے تھے حاکم وہ ہیں بندوں کے غلام
اتنی آفتاد الٰہی! ترے انسانوں کی

بس یوں جل جل کے ہر اِک خاک ہُوا جاتا ہے
میرا دِل ہے کہ چتا ہے مرے ارمانوں کی

ضبطِ فریاد و فغاں سے ہے مرے دِل کا یہ حال
جیسے زد میں ہو سفینہ کوئی طوفانوں کی

اے جگر جن پہ گُل و سرو کے سائے تھے کبھی
چھانتے پھرتے ہیں وہ خاک بیابانوں کی

کھا رہا ہے اب مجھے یہ غم ترے آنے کے بعد
حال کیا ہوگا مرا تیرے چلے جانے کے بعد

کیوں تڑپتا ہے اب اتنا زیرِ دام آنے کے بعد
دام کو بھی دیکھ لینا تھا تجھے دانے کے بعد

زندگی میں جو اُٹھا سکتے نہیں دو پھول بھی
سینکڑوں پتھر اُٹھا لیتے ہیں مر جانے کے بعد

پاؤں پھیلانے ہیں دُنیا میں تو یہ بھی سوچ لے
ہاتھ پھیلانے پڑیں گے پاؤں پھیلانے کے بعد

آرزوؤں سے کبھی خالی نہ دیکھا ہم نے دل
اور اِک دو آ گئیں اِک دو نکل جانے کے بعد

قطعات

یا رب یہ اگر سچ ہے کہ سب تیرے ہیں بندے
پھر تُو ہی بتا اِن میں یہ تمیز روا ہے؟
اِک وہ ہیں ترستے ہیں جو اک دانے کی خاطر
اِک وہ ہیں جنھیں تنگیِ داماں کا گلا ہے

موسمِ گُل میں یوں عروسِ بہار
کر رہی ہے گُلوں سے زینتِ باغ
جیسے دیوالی کو دُلہن کوئی
بام و در پر جلا رہی ہو چراغ

دِل مرا لُوٹا نگاہِ یار نے
ہوش اُڑائے ابروئے خمدار نے

وہ پلائی چشمِ مستِ یار نے
توڑ ڈالا جام ہر میخوار نے

کہہ دیا کیا عشق کے بیمار نے
کی دُعا مرنے کی ہر غمخوار نے

دِل سمجھتا تھا اِسے وجہِ سکوں
اور تڑپایا ترے دیدار نے

دُشمنوں کی دشمنی سے بچ گیا
مار ڈالا مجھ کو تیرے پیار نے

ظالموں سے دوستی کرنی پڑی
مجھ کو مارا لذّتِ آزار نے

رنج و غم، آہ و فغاں، سوز و گداز
کی وفا مجھ سے انہیں دو چار نے

دشت میں اِتنی مری عزّت ہوئی
دی جگہ سر پہ مجھے ہر خار نے

چند آہیں، چند نالے، چند اشک
مجھ کو بخشے حُسن کی سرکار نے

قیس، وامق، کوہکن جیسے جواں
مار ڈالے عشق کے آزار نے

خوش نوائی پر تھا بلبل کو غرور
مُنہ کیا بند آپ کی گفتار نے

دہر میں چھوڑا نہ کوئی تندرست
اے جگرؔ اِس نرگسِ بیمار نے